دعوتِ نبوی کے طریقے

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

دعوت و تبلیغ کا حکمِ الٰہی آنے کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے جوش و خروش کے ساتھ اپنا فریضۂ رسالت ادا کرنا شروع کیا۔ یہ روایت و حقیقت سب کو معلوم ہے کہ مکی عہد (۱۳-۱ نبوی / ۶۱۰-۶۲۲ء) کے تیرہ سالہ دور کو دعوتِ اسلامی کے لحاظ سے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: اول تین سالہ دور جب خفیہ طور سے اسلام کی تبلیغ کی گئی اور دوم باقی دس سالہ زمانہ جو علانیہ تبلیغ کا مرحلہ کہلاتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابِ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ببانگِ دہل اللہ اور اس کے دین کی طرف مکہ والوں کو خاص کر اور تمام انسانوں کو عام طور سے بلاتے تھے[1]۔ دعوتِ نبوی کے یہ دونوں طریقے اور انداز حکمِ الٰہی کی تعمیل میں تھے۔ مصالح اور حالات کا تقاضا بھی تھا اور فطرتِ الٰہی جس پر انسانوں کی تخلیق کی گئی ہے اور اصولِ الٰہی جو کبھی تبدیل نہیں ہوتے، کی مانگ بھی تھی کہ آہستہ روی اور تدریج کے ساتھ اسلامی دعوت کو لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ سیرت نگاروں اور اسلامی تاریخ کے عالموں میں سے ماہرین و اماموں نے بھی خفیہ تبلیغ کی مصالح اور علانیہ دعوت کے اسباب سے خاطر خواہ بحث نہیں کی ہے۔ بالعموم یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ دعوت کو عام کرنے سے قبل اس کی تیاری اور اسلام کی اشاعت کے لیے زمین ہموار کرنے کی ضرورت تھی[2]۔ بلا شبہ یہ بات کسی حد تک صحیح ہے لیکن اس کے علاوہ بھی کچھ اہم اسباب تھے۔ ان میں سے ایک اہم سبب یہ تھا کہ علانیہ دعوت کے نتیجہ میں مخالفت و عداوت ہونی لازمی اور فطری تھی اس لیے مصلحت اسی میں تھی کہ جہاں تک ممکن ہو مخالفت و اختلاف سے بچا جائے، دوسرے یہ کہ خفیہ تبلیغ کے ذریعہ دعوتِ اسلامی کا بنیادی کام مکمل کر لیا جائے تا کہ اگلے مشکل دور کی تیاری ہو جائے۔ تیسرے یہ بھی دیکھنا مقصود تھا کہ دعوت کے کام کی کامیابی کی حد اور

امکانات کیا اور کتنے ہیں اور اس کی راہ میں کیا کیا مشکلات آسکتی ہیں۔ چوتھے اللہ کے مومنوں اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں کی ایک پختہ ایمان اور بلند کردار جماعت بن جائے جو تبلیغ و دعوت کا کام جاری رکھ سکے اور سب سے بڑھ کر آئندہ زمانہ اور اجنبی حالات میں اسلام کی دعوت کا کام کرنے والوں کے لیے ایک اسوۂ نبوی فراہم ہو جائے[۱۲]

خفیہ تبلیغ کے سہ سالہ دور میں دعوتِ نبوی کے طریقوں کا ذکر بالعموم ہماری متداول سیرتی کتابوں میں اور اصلی ماٰخذ میں کم ملتا ہے جبکہ علانیہ دعوت کے عہد کے دعوتی طریقوں کی تفصیل نسبتاً زیادہ ملتی ہے۔ بہر حال روایات و واقعات کے پہلو بہ پہلو کچھ قوی قرائن اور مستحکم اشارات ایسے ملتے ہیں جن کی بنیاد پر نبوی دعوت کے طریقوں کو بہتر طور سے سمجھا جاسکتا ہے اور ان سے صحیح استفادہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ البتہ ابتدائی مسلمانوں کے سوانحی تذکروں میں ان کے قبولِ اسلام کے حالات و اسباب کے ساتھ ساتھ دعوت کے طریقوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ ان سے ایک اہم اور بنیادی حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ فترۂ وحی کے مختصر وقفہ کے بعد سورہ مدثر کے نزول کے ساتھ ہی منصب رسالت کے اعلان اور دعوت و تبلیغ کے فریضہ کا آغاز ہو گیا تھا[۱۳] دعوتِ اسلامی کے ضمن میں دوسری اہم حقیقت یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ اولین مسلمانوں پر بھی بحیثیت امتِ مسلمہ یہ فرض عائد ہو گیا تھا کہ وہ بھی خفیہ طور سے سہی اپنے دین اسلام کی دعوت و تبلیغ شروع کر دیں۔ صحابۂ کرام کی دعوت و تبلیغ کو محض ان کے جوشِ ایمانی اور نومسلم ولولۂ ایمانی پر محمول نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ سورۂ مدثر میں جو احکام تبلیغ و دعوت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت رسول اللہ دئے گئے تھے وہ مسلمانوں کو بحیثیت امتِ مسلمہ عطا کیے گئے تھے اور اس حقیقت کی تائید ان دوسرے احکام الٰہی سے ہوتی ہے جو جسمانی اور روحانی تطہیر اور شرک سے اجتناب اور توحید و عبادتِ الٰہی پر ثبات و قیام کے سلسلہ میں آپ کو دئے گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ وہ صرف آپ کی ذاتِ گرامی تک محدود نہ تھے اگرچہ خطابِ الٰہی صرف آپ سے ہے بلکہ ان کی فطری اور منطقی توسیع تمام امتِ مسلمہ کے لیے ہر زمانے اور ہر عہد میں کی گئی ہے[۱۴] امتِ مسلمہ کے فرائض کے بارے میں ابتدائی دور میں نازل ہونے والی دوسری آیاتِ قرآنی بھی اس کی تائید مزید کرتی ہیں[۱۵] اور ان سب سے بڑھ کر یہ حقیقت اور صورتِ واقعہ اس کی توثیق کرتی ہے کہ صحابۂ کرام کی خفیہ تبلیغ اور بعد

کے دور میں علانیہ دعوت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما منشا اور ارشاد کے بغیر ممکن نہیں تھی۔ کیونکہ مبلغین اسلام اس کے بغیر کوئی اقدام نہیں کر سکتے تھے۔

دعوتِ نبوی کے آغاز اور اولین مسلمانوں کے قبولِ اسلام کے سلسلہ میں کئی طریقے واضح طور سے نظر آتے ہیں۔ پہلا طریقہ اہلِ بیتِ نبوی کے ضمن میں یہ ملتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ عبادت اور عمل کو دیکھ کر ان کے دل و دماغ میں سوال پیدا ہوا اور ان کے استفسار کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اللہ اور اس کے دین کی طرف بلایا اور قبول و ایمان میں تردد دیکھ کر ان کو معاملہ پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا۔ جیساکہ حضرت علی بن ابی طالب ہاشمی، جو آپ کے پروردہ اور گھر کے فرد تھے اور حضرت زید بن حارثہ کلبی جو آپ کے متبنّٰی اور آزاد کردہ غلام تھے کے بارے میں بالترتیب وضاحت اور اضمار کے ساتھ ملتا ہے[۸]۔ دوسرا طریقہ حضرت خدیجہ بنتِ خویلد اسدی، آپ کی زوجۂ مطہرہ، اور آپ کی بناتِ مطہرات کے ضمن میں دکھائی دیتا ہے جو بقول مولانا شبلی "سننے سے پہلے مومن تھیں"[۹]۔ تیسرا طریقہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نظر آتا ہے کہ آپ کی نبوت و رسالت کا آوازہ (جو خفیہ دورِ تبلیغ میں ہی پھیلنا شروع ہوا تھا) مکہ مکرمہ میں خاص خاص لوگوں اور قریب ترین حلقوں میں ہوا وہ فوراً خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے اور دین و دعوت کی تصدیق چاہی اور اس کے ملتے ہی اسلام قبول کر لیا۔ ان کا معاملہ خاص تھا کہ حق معلوم ہونے کے بعد انھوں نے ذرا بھی شک کیا اور نہ قبول کرنے میں دیر لگائی[۱۰]۔ ان اوّلین مسلمانوں کے قبولِ اسلام کے بعد امتِ مسلمہ کے دعوت و تبلیغ کا کام کرنے کا مرحلہ شروع ہوتا ہے اور دعوت کا چوتھا طریقہ یہ ملتا ہے کہ حضرت ابوبکر اپنے حلقہ احباب اور دائرۂ اثر میں دین کی دعوت کا پرجوش و ولولہ انگیں کام شروع کر دیتے ہیں اور کم از کم پانچ مزید افراد کو شروع ہی میں اسلام کے دائرہ میں داخل کرتے ہیں۔ تبلیغ و دعوت کا اولین کام یا ابتدائی زمین ہموار کرنے کا مرحلہ وہ انجام دیتے ہیں اور اس کا اصل اور اہم مرحلہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و ارشاد کے ذریعہ پورا ہوتا ہے[۱۱]۔ حضرت ابوبکر صدیق کی دعوت و تبلیغ کا دائرہ صرف انھیں ابتدائی مسلمانوں تک محدود نہ تھا بلکہ وہ تا عمر اور تمام ادوار میں یہ فریضہ انجام دیتے رہے[۱۲]۔ ان کے علاوہ دوسرے ابتدائی مسلمانوں کی خفیہ دعوت و تبلیغ کے کام کا بہت صراحت و وضاحت کے ساتھ ذکر نہیں ملتا لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر

مسلم ہے کہ حضرت خدیجہ نے خاص کر عورتوں کے حلقہ میں اور دوسرے بزرگوں نے اپنے اپنے حلقوں میں دعوت و تبلیغ کا کام پوری تندہی سے انجام دیا تھا۔[12]

نومسلم صحابہ کرام کی ترغیب و تبلیغ سے مکہ مکرمہ کے سربرآوردہ خاندانوں کے نوجوانوں کے علاوہ بعض باہر کے دوسرے قبائل کے اشخاص و جماعات بھی متاثر ہوئے اور خدمت نبوی میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔ اس طریقہ سے اسلام غالباً کافی کثرت سے پھیلا۔ حضرت خالد بن سعید اموی ابتدائی مسلمانوں میں تھے۔ وہ بھی حضرت ابوبکر صدیق کی دعوت پر اسلام کی طرف راغب ہوئے اور بالآخر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر اسے قبول کیا۔[13] حضرت عثمان بن عفان اموی کو اسلام کی اولین ترغیب و تبلیغ کرنے والی ان کی اپنی خالہ سعدی تھیں۔ جنھوں نے ان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور دعوت سے اول اول روشناس کرایا۔ ان کے کلام کا ان کے دل پر بہت اثر ہوا جس کا ذکر حضرت عثمان نے حضرت ابوبکر صدیق سے کیا اور پھر ان کی ترغیب مزید اور دعوتِ صریح سے متاثر ہو کر وہ بارگاہ نبوی میں پہونچے اور آپ کی دعوتِ توحید الٰہی اور رسالتِ محمدی پر اسلام قبول کیا۔[14] حضرت ابوبکر صدیق کی ہی دعوت و تبلیغ سے متاثر ہو کر حضرت عثمان بن عفان اموی کے قبول اسلام کے دوسرے ہی روز حضرات عثمان بن مظعون جمحی، ابوعبیدہ بن الجراح فہری، ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی اور ارقم بن ارقم مخزومی خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ ایک اور روایت کے مطابق ان بزرگوں کے ساتھ حضرت عبیدہ بن الحارث مطلبی بھی تھے۔ روایات کے مطابق ان تمام حضرات نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں قیام سے قبل اسلام قبول کیا تھا۔[15] اسلام قبول کرنے کا ایک اہم سبب اور تبلیغ اسلام کا ایک کارگر طریقہ نماز کی عبادت کا مشاہدہ و مظاہرہ تھا۔ حضرت علی کی مانند ان کے برادر بزرگ حضرت جعفر بن ابی طالب ہاشمی نے بھی آپ کو نماز پڑھتے دیکھ کر اسلام قبول کیا تھا۔[16] جبکہ دوسرے موقع پر حضرت عفیف کندی جو جنوبی عرب کے قبیلہ کندہ کے فرد تھے آپ کو مکہ کی ایک گھاٹی میں نماز پڑھتے دیکھ کر اسلام قبول کرتے کرتے رہ گئے تھے اور بعد میں اسی واقعہ نے ان کو اسلام کی طرف راغب کیا تھا۔[17] اگرچہ اسلام کی دعوت و تبلیغ خفیہ انداز سے کی جا رہی تھی تاہم وہ ایسا معمولی واقعہ نہ تھا جس کی شہرت نہ ہوتی یا آوازہ نہ پھیلتا، خاص کر تین برسوں میں کم از کم تین مواسم حج آئے تھے اور ان

مقدس مواقع پر ہزارہا افراد حج کے مناسک ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ پہونچے تھے اور ان گنت لوگوں نے ان تین برسوں میں عمرہ کیے تھے یا تجارت کی غرض سے مکہ کے پھیرے لگائے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس زمانے میں مسلم اور غیر مسلم مکی تاجروں نے عرب و شام و یمن کے متعدد بازاروں میں تجارت و کاروبار کے لیے پہونچ کر مثبت یا منفی انداز سے اسلام کی شہرت عام کی تھی اور اس شہرت و آوازہ نے بہت سے لوگوں کو اسلام کی طرف راغب ہی نہیں کیا بلکہ مکہ مکرمہ پہونچ کر خدمتِ نبوی میں حاضری دے کر اسے قبول کرنے کی سعادت بخشی تھی۔

باشندگان مکہ مکرمہ میں متعدد ایسے مردوں اور خواتین کا ذکر ملتا ہے جو آپ کی دعوت کا شہرہ سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی دعوت سنی اور اسلام قبول کیا۔ ان میں سے دو بزرگ حضرت عمار بن یاسر مذحجی اور حضرت صہیب بن سنان عنزی ہیں۔ دونوں حسنِ اتفاق سے دار ارقم کے دروازہ پر ایک دوسرے سے ملے اور دونوں کی حاضری ایک ہی مقصد سے ہوئی تھی۔ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور دونوں اسی وقت حلقہ بگوش ہو گئے[۱۸]۔ مکہ مکرمہ کے بیشتر سابقین اولین کے قبولِ اسلام میں غالبًا اسی طریقہ سے نسبتًا زیادہ مدد ملی تھی لیکن اس کے بارے میں زیادہ کہنا یوں مشکل ہے کہ بیشتر حضرات و خواتین کے قبولِ اسلام کے حالات و اسباب کی تفصیلات نہیں ملتیں[۱۹]۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے بدوی قبائل اور مکہ مکرمہ کے باہر کے دوسرے افراد نے بھی اسی طریقے سے اسلام قبول کیا تھا۔ ان میں سے حضرت ابوذر غفاری اور ان کے عزیزوں اور حضرت عمرو بن عبسہ ازدی کے قبولِ اسلام کے واقعات بہت مشہور ہیں۔ ابن اسحاق کی روایت کے مطابق حضرت ابوذر غفاری اپنے بھائی اور ایک عم زاد کے ساتھ آپ کی بعثت کی خبر سننے کے بعد مکہ مکرمہ پہونچے اور مکہ مکرمہ کے کسی درہ یا گھاٹی میں آپ سے ملاقات کر کے آپ کا پیغام سنا اور تینوں نے قبول کیا جبکہ ابن ہشام کی مشہور روایت کے مطابق صورت واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوذر غفاری نے آپ کے ظہور کی خبر سنی تو تحقیق حال کے لیے اپنے بھائی انیس غفاری کو بھیجا۔ وہ مکہ مکرمہ میں معلومات حاصل کر کے گئے تو حضرت ابوذر کو ان کے بیان سے تشفی نہیں ہوئی اور وہ خود اکیلے پہونچے۔ حالات ایسے تھے اور رازداری اتنی تھی کہ مکہ مکرمہ میں علی الاعلان کسی سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھ نہ سکتے

تھے حالانکہ حضرت علی سے دو روز متواتر ملاقاتیں رہیں۔ بالآخر تیسری ملاقات میں ان کی تمنا برآئی اور حضرت علی کے ذریعہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دارِ ارقم میں آپ کی ملاقات ہوئی۔ آپ نے اپنی دعوت پیش کی اور وہ دل وجان سے اسلام لے آئے[20] بیرونی بدوی قبائل کے تمام سابقین اولین کے قبولِ اسلام میں آپ کی دعوت کے شہرہ اور دین اسلام کے آوازہ کے خفیہ طور سے ہی پھیلنے کے طریقہ نے امداد کی تھی خواہ ان حضرات نے اپنے اپنے علاقوں میں سنا ہو، یا عرب کے بازاروں اور میلوں ٹھیلوں میں واقفیت حاصل کی ہو یا مکہ مکرمہ پہونچ کر صورتِ حال سے واقفیت حاصل کی ہو۔ حضرات طفیل بن عمرو ازدی، ابوموسیٰ اشعری، معیقب بن ابی فاطمہ دوسی اور متعدد دوسرے معلوم ومعروف یا غیر معلوم وغیر معروف سابقین اولین کے قبولِ دینِ حق میں یہی حقیقی امر واقعہ رہا تھا۔[21]

دعوتِ اسلامی کا ایک اہم مرحلہ اور دعوتِ نبوی کا ایک عظیم طریقہ دارِ ارقم کو تبلیغ ودعوت کا مرکز بنانا تھا۔ سیرت نگاروں اور تاریخ والوں کے درمیان اس امر پر اختلاف ہے اور کافی ابہام بھی کہ دارِ ارقم کو کب اسلامی مرکز بنایا گیا۔[22] لیکن واقعات، بیانات اور قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت کے اولین مراحل میں ہی جب غیر معمولی کامیابی ملی اور اچھی خاصی تعداد میں مکہ مکرمہ کے لوگ مسلمان ہو گئے تو آپ نے دین کی مصلحت اور دعوت کی عافیت اسی میں دیکھی کہ کسی الگ تھلگ جگہ کو مرکز دعوت بنائیں کیونکہ آپ کا مکانِ مبارک نہ صرف شہر کے آباد ومصروف علاقہ میں واقع تھا جہاں آنے جانے والوں پر نظر رکھی جا سکتی تھی اور غیر معمولی آمد ورفت دوسروں کو خاص کر ٹوہ لگانے والوں کو متوجہ کر سکتی تھی۔ دوسرے یہ کہ آپ کا گھر بعض بدباطن پڑوسیوں کے درمیان واقع تھا جو دعوتی سرگرمیوں کو دیکھ کر اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے مسائل ومشکلات پیدا کر سکتے تھے[23] یہ اور ان جیسے دوسرے مصالح دینی وتحریکی کے پیش نظر آپ نے حضرت ارقم بن ارقم مخزومی کا مکان بطور مرکزِ دعوت منتخب کیا جو کوہِ صفا کی تلہٹی میں واقع ہونے کے سبب الگ تھلگ تھا[24]۔ عام تاثر یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دارِ ارقم میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ لیکن صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ دعوت وتبلیغ اور نومسلموں کی اسلامی تعلیم وتربیت کے لیے وہاں مخصوص اوقات میں قیام فرماتے تھے۔ اسی دوران

مکی مسلمان وہاں جمع ہوکر تعلیم وتربیت حاصل کرتے، قرآن ونماز پڑھنے اور اخلاقِ فاضلہ سیکھتے اور وہیں حق کے متلاشی غیر مسلم خواہ مکہ مکرمہ کے ہوں یا باہر کے از خود یا مسلمانوں میں سے کسی کے توسط سے حاضرِ خدمت ہوتے اور آپ کی دعوت سنتے۔ دارارقم خفیہ تبلیغ کے بقیہ زمانے میں اسلامی دعوت کا مرکز تو رہا ہی علانیہ دعوت کے اولین تین برسوں تک یعنی حضرت عمر بن خطاب عدوی کے قبولِ اسلام کے عظیم الشان اور عہد ساز واقعہ تک واحد مرکزِ اسلام رہا۔ بقیہ مکی دورِ نبوی میں دارارقم کی مرکزی حیثیت ضرور برقرار رہی تاہم اب کئی دوسرے اسلامی مراکز بھی بن گئے تھے جہاں صحابہ کرام مصالحِ دینی اور مقاصدِ اسلامی کے تحت جمع ہوا کرتے تھے[۲۶]۔ ان مراکز کا ذکر اور ان کی اہمیت پر بحث بعد میں آئے گی۔ یہاں خفیہ دور میں دارِارقم کی اہمیت اور مرکزیت پر نظر مرکوز رکھنی مقصود ہے۔

ابن سعد نے خاص کر اور بعض دوسرے قدیم سیرت نگاروں اور مورخوں نے عام طور سے ان سابقین اولین کے قبولِ اسلام کا ذکر کیا ہے جو دارِارقم میں دخولِ نبوی سے قبل یا اس کے بعد دینِ حق میں داخل ہوئے تھے۔ ابن سعد خاص کر ان کے قبولِ اسلام کے زمانے کی تصریح کرتے ہیں۔ اگرچہ بیشتر حالات واحوال میں وہ دعوتِ نبوی کے طریقوں کا ذکر نہیں کرتے لیکن کہیں کہیں کسی نہ کسی طریقہ کا ذکرِ صریح یا اس کا مضمر قرینہ مل جاتا ہے۔ عام حالات میں دارارقم میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دخول سے قبل جن اہم بزرگوں / سابقون اولون کے قبول اسلام کا ذکر کیا ہے ان میں حضرات عبیدہ بن حارث مطلبی، عثمان بن عفان اموی، ابو حذیفہ ہشیم بن عتبہ عبد شمسی، عبداللہ بن جحش اسدی/ خزیمہ اور ان کے دو بھائی عبیداللہ اور ابو احمد وغیرہ بہت ممتاز ہیں۔ ابن سعد نے اول الذکر کے بارے میں یہ صراحت کی ہے کہ دارارقم میں دعوت اسلام دینے سے قبل وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے تھے۔ لیکن دعوتِ نبوی کے طریقہ کے بارے میں ابن سعد کا وہ بیان زیادہ واضح اور اہم ہے جو انھوں نے حضرت مصعب بن عمیر عبدری (بنو عبدالدار) کے قبول اسلام کے ضمن میں دیا ہے۔ ان کو کسی ذریعہ سے جس کی صراحت ابن سعد نے نہیں کی خبر پہونچی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دارِارقم بن ابی الارقم میں اسلام کی دعوت دیتے ہیں تو وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے، اسلام قبول کیا اور آپ کی تصدیق کی۔ پھر وہ اپنے گھر چلے گئے، اور اپنی ماں اور اپنی قوم سے اپنا اسلام چھپائے رکھا۔ اس

دوران وہ برابر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔[۲۷]

حضرت مصعب بن عمیر عبدری کی مانند بعض دوسرے مکی مسلمانوں نے بھی اس زمانہ میں اسلام قبول کیا جب آپ دارِ ارقم کو مرکزِ دعوت بنا کر لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف خفیہ طور سے یا علانیہ بلا رہے تھے۔ ان میں حضرات عمار بن یاسر مذحجی اور صہیب بن سنان نمری کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ ان کے بیان کا ایک حصہ بڑا دلچسپ ہے۔ دارِ ارقم میں اسلام قبول کرنے کے بعد وہ شام تک وہاں مقیم رہے پھر چھپتے چھپاتے وہاں سے نکلے (اور اپنے گھروں کو گئے) غالباً یہ احتیاط کی بنا پر تھا کہ مبادا کسی نے ان کو دارارقم میں آتے/داخل ہوتے دیکھ لیا ہو۔[۲۸] ابن سعد کا ایک عام بیان یہ ہے کہ اول/شروع اسلام میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دارارقم میں ہوا کرتے تھے اور دعوت دیا کرتے تھے اور وہاں بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ ان میں سے حضرات عاقل بن ابی البکیر، اور ان کے کم از کم تین بھائیوں عامر، ایاس اور خالد وغیرہ کے علاوہ متعدد افراد شامل تھے۔[۲۹]

خفیہ دورِ تبلیغ میں جب مکی تاجر و مسافر واپس وطن آتے تھے تو حالات پوچھتے تھے خاص کر اس باب میں استفسار کرتے کہ کوئی نیا واقعہ تو نہیں ہوا۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی جب شام کے سفرِ تجارت سے واپس مکہ پہونچے تو پوچھا کہ کوئی نیا واقعہ؟ بتایا گیا کہ حضرت محمد بن عبد اللہ الامین نبی ہو گئے ہیں (تنبأ) اور ابن ابی قحافہ (ابوبکر) ان کے پیرو بن گئے ہیں۔ اس کے بعد وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملے اور اسلام لائے تھے۔[۳۰]

اس دور کا ایک اہم طریقۂ دعوت معجزۂ نبوی بھی تھا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود ہذلی اول اول ایک معجزہ نبوی سے اسلام کی طرف مائل ہوئے تھے۔ وہ آپ کے ایک پڑوسی عقبہ بن ابی معیط اموی کے نوجوان چرواہے تھے اور اجرت پر اس کی بکریاں چراتے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر ایک بار مشرکین سے بچ کر ان کی چراگاہ آنکلے اور انھوں نے جب ان سے دودھ مانگا تو عبد اللہ بن مسعود نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ امانت دار ہیں اور مالک کے مال میں خیانت نہ کریں گے۔ اس پر آپ نے ایک کنواری بکری کے تھنوں پر دعا پڑھی اور وہ دودھاری ہو گئی اور دودھ پینے کے بعد اس کو ویسا ہی کر دیا۔ حضرت عبد اللہ اس سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے اور امکان ہے کہ

اور حضرات بھی اس طریقہ سے مومن بنے ہوں لیکن یہ خاص نبوی طریقہ تھا۔[۳۱]

علانیہ دعوت کا دور

تین برسوں کی مسلسل اور جاں گسل مساعیٔ دعوت کے بعد جب اسلام کی راہ ہموار ہوگئی اور پختہ اہل ایمان کی مضبوط جماعت وجود میں آگئی تو حکمِ الٰہی آیا کہ اب اسلام کی دعوت علانیہ دی جائے اور بات کھول کر سب کے سامنے واشگاف کر دی جائے ابن اسحاق نے اس حکم الٰہی کو تین آیات کریمہ کے حوالہ سے پیش کیا ہے یعنی سورہ حجر ۹۴، سورہ شعرا ۲۱۴-۵ اور سورہ حجر ۸۹ جبکہ ابن ہشام نے اولین دو ہی آیاتِ قرآنی کا ذکر کیا ہے۔ عام طور سے سیرت نگاروں نے اظہارِ اسلام و اعلان حق کے لیے انھیں آیات کا ذکر کیا ہے اور دعوتِ اسلامی کے اولین علانیہ مرحلہ کو سورۂ شعرا کی مذکورہ بالا آیات مقدسہ کے مطابق قریب ترین اعزہ کو دعوت اسلام دینے سے تعبیر کیا ہے[۳۲] جس کے بعد تمام مکہ والوں کو دعوت دینے کا مرحلہ آیا اور پھر تمام عرب کے باشندوں اور اس کے بعد پوری بنی نوع انسانی کو یہاں ایک اہم حقیقت پر مزید بحث کرنی ضروری معلوم ہوتی ہے کیونکہ جدید مورخوں خاص کر متعصب سیرت نگاروں اور اسلام دشمن مستشرقوں نے اس پر پردہ ڈال کر نہ صرف حقیقت کو چھپانے کا جرم کیا ہے بلکہ دوسروں کو اپنی تحریروں اور تقریروں سے گمراہ کرنے کی کوشش بھی کی ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ علانیہ دعوت کے مذکورہ بالا چار مرحلے تھے جو اسلام کے اصولِ تدریج اور الٰہی قانونِ ارتقا کے عین مطابق اور تابع تھے حکمت و دانش بھی یہی کہتی ہے کہ پہلے قریب ترین عزیزوں کو پھر دوسرے رشتہ داروں، پڑوسیوں اور شہر والوں، پھر پورے عرب والوں کو اور ان کے بعد ساری دنیا کے انسانوں کو دعوت دی جاتی۔ جیسا کہ دعوتِ نبوی میں ہوا بھی۔ لیکن بدباطن مورخوں اور عصبیت کے مارے مستشرقوں نے ان مراحلِ دعوت سے اسلام کی علاقائیت اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی محدودیت کا تصور ایجاد کیا حالانکہ آپ کی دعوت شروع سے آفاقی اور ابدی تھی اور سارے انسانوں کے لیے اور تاقیامِ قیامت تھی اور ہے۔[۳۳] یہ بحث مزید تفصیل کی متقاضی ہے جس کا یہاں موقع نہیں۔ علانیہ دعوتِ حق اور تبلیغِ اسلام کے دور کے شروع ہوتے ہی رسول اکرمؐ

نے پرانے دعوتی طریقوں کو بروئے کار لانے کے ساتھ ساتھ بعض نئے طریقوں سے بھی کام لیا کہ بدلے ہوئے حالات میں ان کی ضرورت بھی تھی اور افادیت بھی زیادہ تھی۔

دعوتِ عام و علانیہ کا اولین طریقہ یہ تھا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "کسی خوف اور جھجک کے بغیر حرم میں جا کر نماز پڑھنی شروع کر دی جس کی ہمت آپ کے سوا اور کوئی نہ کر سکتا تھا"۔ سیرت نگاروں میں مولانا مودودی غالباً واحد شخص ہیں جنھوں نے سورۂ علق اقراء کی آیاتِ کریمہ ۱۹-۶ کے ذریعہ یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام کا اولین اظہار مسجدِ حرم میں علی الاعلان نماز پڑھ کر کیا اور اس واقعہ نے قریش کے اکابر کو بھی اور عام لوگوں کو بھی یہ احساس کرا دیا کہ "آپ کا دین ان کے دین سے بدل گیا ہے"[۳۴] اس پر یہ اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ واقعہ نہ صرف اسلام کا اولین اظہار تھا بلکہ دعوتِ اسلامی اور تبلیغ نبوی کا عملی اور شاید موثر ترین طریقہ تھا۔ کیونکہ نماز کے ارکانِ جسمانی کے علاوہ اس میں تلاوتِ قرآن مجید بھی کی جاتی تھی اور اس طرح بالواسطہ طور سے ہی قریش کے سامنے اللہ کا پیغام پیش کیا جاتا تھا۔

نماز میں اور نماز کے علاوہ عام تلاوت کے ذریعہ قرآن مجید کی آیاتِ کریمہ کی قراءت کرنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو معمول ہی تھا آپ کے اصحاب کرام کا بھی تھا اور یہ بڑا مؤثر طریقۂ دعوت اور ذریعۂ تبلیغ تھا۔ اس سے قریش کے لوگوں کو اللہ کا دین سمجھایا جاتا تھا۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کا نزول ہوتا تو آپ پہلے اسے مردوں کے سامنے تلاوت کرتے پھر عورتوں کے سامنے"[۳۵] نماز میں آپ کی تلاوتِ قرآن سن کر پہلی بار حضرت عمر بن خطاب کے دل میں اسلام کی رفعت و محبت پیدا ہوئی تھی[۳۶] اگرچہ قریش کے متعدد اکابر جیسے ابوسفیان بن حرب اموی، ابوجہل مخزومی اور اخنس بن شریق ثقفی وغیرہ آپ کی تلاوتِ قرآن سن لینے کے بعد بھی مسلمان نہیں ہوئے لیکن ان کے دل اسلام کی حقانیت کے معترف ہو چکے تھے[۳۷] اور متعدد دوسرے مردوں اور عورتوں کو آپ نے اسی طریقہ سے اسلام سے روشناس کرایا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ حرام میں اپنی نمازوں اور مجلسوں میں قرآن کریم کی تلاوت و قراءت تو کیا ہی کرتے تھے، اپنے گھر کے صحن میں بھی قرآن مجید کی آیات پڑھا کرتے تھے جن کو سننے کے لیے قریش کے عام و خاص جمع ہو جایا کرتے تھے[۳۸] اور ظاہر

ہے کہ آپ بخوبی جانتے تھے کہ قریش اور دوسرے اہل مکہ قرآن مجید کی حقانیت، روحانیت اور قوت تاثیر کے ہاتھوں کھنچے چلے آتے ہیں تاکہ آپ کی زبان مبارک سے سنیں۔

صحابۂ کرام بھی دعوتِ اسلامی کے اس طاقتور ترین اور موثر ترین وسیلہ کی تاثیر اور کارفرمائی سے خوب واقف تھے کہ اسی نے زیادہ تر ان کے دلوں کی دنیا بدلی، ان کو راہِ حق سجھائی اور ان کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی پر آمادہ کیا تھا۔ وہ بھی علانیہ قراءتِ قرآنِ کریم کے ذریعہ قریش کے لوگوں کو بالواسطہ دعوتِ اسلامی دیتے تھے اور اسلامی احکام واصول سکھاتے تھے۔ عام طور سے حضرت عبداللہ بن مسعود ہذلی کے قریشی اکابر کے سامنے ان کی مجلس میں قرآنی آیات تلاوت کرنے کے واقعہ کو ہمارے تمام قدیم وجدید سیرت نگاروں نے ایمانی جوش اور اسلامی خروش کا ایک بے قابو جذبہ اور بیکراں ولولہ بنا کر پیش کیا ہے کہ انھوں نے محض ایمانی جذبہ کے مظاہرہ کے لیے ان کے سامنے تلاوت کی اور مار کھائی اور اسلام میں علانیہ تلاوت قرآن کرنے والے اولین شخص بنے [۴۹] حالانکہ حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ محض مظاہرۂ اسلامی اور اظہارِ ہمت مردانہ نہیں تھا بلکہ قریش کے سامنے تلاوت کلام الٰہی کے ذریعہ اسلام اور اس کی تعلیمات کو پیش کرنا اور ان کو دینِ حق اور اتباعِ رسول کی دعوت دینا تھا۔ مشہور واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق جب قریشِ مکہ کی حرکات سے تنگ آکر ہجرت کے لیے مکہ مکرمہ سے نکلے اور راستہ میں ایک بدوی سردار ابن الدغنہ کی کوشش وحمایت میں واپس وطن آئے تو اپنے گھر کے دروازے (باب دارہ) کے پاس ایک مسجد بنالی۔ وہاں نماز میں قرآن مجید پڑھتے اور خوب روتے کہ وہ بے انتہا رقیق القلب بزرگ تھے۔ قریشی عورتیں بچے اور غلام ان کی تلاوت سننے کے لیے جمع ہو جاتے اور کلام الٰہی سے اور ان کی رقت بھری تلاوت سے متاثر ہوتے۔ قریشی اکابر نے اپنے آل واولاد کو جب اس "فتنہ" میں پڑتے دیکھا تو ابوبکر صدیق کے حامی ابن الدغنہ سے فریاد کی اور اس نے حضرت ابوبکر سے زور سے تلاوت قرآن نہ کرنے کے لیے کہا مگر انھوں نے انکار کر دیا اور اس کی حمایت وجوار واپس کر دی۔ یہ صرف حضرت ابوبکر کی جراءتِ ایمانی اور حمیت دینی کا معاملہ نہ تھا بلکہ تبلیغ دین کا ایک مؤثر ذریعہ بھی جسے وہ ضائع کرنا نہیں چاہتے تھے [۵۰]۔ اس موثر ترین وسیلۂ تبلیغ و دعوت کے متعدد دوسرے واقعات ہیں جن میں سے کئی ایک کا ذکر آئندہ نبوی دعوت اور صحابی تبلیغ کے طریقوں کے ضمن میں آتا رہے گا۔

علانیہ دعوتِ نبوی کا باقاعدہ اصطلاحی آغاز رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوتِ طعام سے ہوا جو آپ نے اپنے قریب ترین عزیزوں کو حکمِ الٰہی کی تعمیل میں اسلام کی طرف بلانے کے لیے کی تھی۔ بلاذری کی ایک روایت ہے کہ اس دعوت سے قبل آپ نے اپنی چہیتی اور شفیق پھوپھیوں سے مشورہ کیا تھا اور انھوں نے تائید و تصویب کی تھی مگر ابولہب ہاشمی سے باخبر بھی کیا تھا کہ وہی گڑبڑ کر سکتا ہے۔ ابن اسحاق و ابن ہشام وغیرہ کی بیان کردہ روایت مشہور کے مطابق آپ نے بنو عبد مناف کو کھانے کی دعوت دی اور بعد طعام اپنا پیغام پیش کرنا چاہا تو ابولہب نے آپ کو کچھ کہنے ہی نہ دیا اور اسی طرح دوسری مجلس دعوت و طعام بھی اس نے درہم برہم کر دی مگر بلاذری کی بیان کردہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کے بعد اپنا کلام و پیغام پیش کیا اور حلیم و بردبار اور سنجیدہ لوگوں نے اسے خوشدلی سے سنا بھی اور آپ سے نرم خوئی سے پیش آئے اور محبت آمیز کلام کیا اور غور و فکر کے لیے مہلت مانگی مگر ابولہب ہاشمی واحد خاندانی عزیز تھا جس نے اپنی سخت کلامی اور سخت ردی سے آپ کی دعوت ٹھکرا دی تھی۔ خاندانِ بنو عبد مناف کو حکمِ الٰہی وانذر عشیرتك الاقربين (اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو انذار کرو) کی تعمیل میں دعوتِ طعام کے ذریعہ تبلیغ نبوی کی جتنی روایات ملتی ہیں ان میں بلاذری کی بیان کردہ روایات نہ صرف قرین قیاس، انسانی نفسیات کے مطابق اور عقل و دانش کے موافق ہیں بلکہ قریش کے مشہور و معروف اور فطری حلم و تدبر سے بھی میل کھاتی ہیں[۱۶]۔ عام تاثر یہ بن گیا ہے کہ اس ایک یا دو دعوتوں کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان والوں کو مزید دعوتِ اسلام نہیں دی یا ان کو بھی اپنی عمومی دعوت و تبلیغ ہی سے نوازتے تھے۔ روایاتِ سیرت اور احادیث سے خاص کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مختلف اوقات میں جب بھی خاندان والوں کے ساتھ ملاقات یا اجتماع کا موقع ملتا اپنی دعوت پیش کرتے رہتے تھے اور تسلسل و تواتر کے ساتھ پیش کرتے رہتے تھے۔ اس کی تصدیق اس روایت سے ہوتی ہے جس میں آپ نے اپنے خاندان والوں اور خاندانوں کا نام لے کر اور قریب ترین افراد جیسے حضرت صفیہ اور حضرت فاطمہ کو مخاطب کر کے اسلام کی دعوت دی تھی[۱۷]۔

اپنے عزیز ترین اور قریب ترین رشتہ داروں (عشیرتك الاقربين) کو علانیہ